Scholar Insight Journal *HEC PAKISTAN Y Category*
https://scholarinsightjournal.com/ ONLINE - ISSN- 3006-9785
Volume.3, Issue.2 (June-2025) PRINT - ISSN- 3007-245X

Regulation of Ambiguity and Differentiation of Complexity: A Qualitative and Principled Study of the Methodology of Legal Derivation

انضباطِ مبہم وامتیازِ مشکل: اصولِ تخریجِ احکام کا اصولی مطالعہ

Dr. Hafsa Abbasi
Lecturer, Shariah, Allama Iqbal Open University Islamabad. This article is based on my post-doctoral project from IRI Islamabad hafsa.abbasi@aiou.edu.pk
Dr. Khadija Aziz
Associate Professor, Shaheed Banazir Bhutto Women University Peshawar.
khadijaaziz@sbbwu.edu.pk

Abstracts

This study presents a qualitative and usulī analysis of the principles of *"Ambiguity Regulation" (Inzibat al-Mubham)* and *"Distinction of Complex Cases" (Imtiyaz al-Mushkil)* in Islamic jurisprudence. These principles guide the extraction and application of rulings from Sharīʿah texts when the wording of the text is general, ambiguous, or potentially applicable to multiple scenarios. Often, a term or title (e.g., *Sariq* - thief) is mentioned without specifying conditions, thresholds, or contexts, requiring jurists to identify essential distinctions, conditions, and operational definitions. The study demonstrates that methods such as classification of types, attention to specific characteristics, reference to social custom (*ʿurf*), and differentiation through apparent or dominant forms, are essential for precise legal derivation. Examples from theft (*sariqah*), extravagance (*taʿayyush*), and marriage versus illicit sexual relations illustrate these methodologies. The findings underscore that jurisprudential precision involves not only textual interpretation but also the integration of context, purpose, customary practices, and practical indicators, ensuring that rulings are both doctrinally sound and socially implementable. This framework highlights the practical and systematic nature of *usul al-takhreej* and its critical role in harmonizing textual guidance with real-world applicability.

Keywords: Legal derivation, Ambiguity regulation, Distinction of complex cases, Social custom, Operational definitions, Theft, Extravagance, Marriage.

تعارف

اسلامی شریعت کے نصوص میں احکام کے بیان کا اسلوب ہمیشہ یکساں نہیں رہتا؛ کبھی حکم کی علت/قید صراحتاً مذکور ہوتی ہے اور کبھی کسی شے یا فعل کا صرف نام (اسم/عنوان) آجاتا ہے اور بقیہ تفصیل کی تعیین فہمِ نص، عرفِ عرب، تعاملِ نبوی، اور استنباطِ فقہاء پر چھوڑ دی جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ''تخریجِ احکام'' کا فن سامنے آتا ہے، یعنی نصوص سے حکم کی تطبیقی صورتیں اخذ کرنا، مبہم و مشکل کو منضبط کرنا، اور کلیات و قواعد کی روشنی میں جزئیات کا حکم متعین کرنا۔

زیرِ بحث متن میں باب کا عنوان ہی اس علمی ضرورت کی طرف رہنمائی کرتا ہے: ''انضباطِ مبہم وامتیازِ مشکل اور کلیات سے تخریجِ احکام''۔ مصنف کی بنیادی بات یہ ہے کہ بہت سی اشیاء ایسی ہیں جن کا حکم محض ''نام لے کر'' بیان کیا گیا، اور ان کا علم ''مثال اور تقسیم'' کے بغیر مکمل واضح نہیں ہوتا۔ گویا نص ایک عنوان فراہم کر دیتی ہے، مگر اس عنوان کی حد بندی (boundaries) اور اس کے اطلاق کے اصول طے کرنا فقہی منہج کا حصہ ہے۔

یہاں ''انضباط'' سے مراد کسی مبہم تصور کو قابلِ شناخت، قابلِ امتیاز اور قابلِ نفاذ بنانا ہے۔ مثلاً قرآن میں حکم آیا: ''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹو'' یہاں ''سارق'' کے عنوان کے تحت حکم آگیا، مگر ''سرقہ'' اور ''غیر سرقہ'' میں فرق کیسے ہوگا؟ کیونکہ غیر کے مال کے حصول کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں: ڈاکہ، اچک کر لینا، خیانت، پڑی چیز اٹھانا، زبردستی چھین لینا، لاپروائی کے مواقع میں تصرف وغیرہ۔ اگر ان سب کو بلاامتیاز ''چوری'' قرار دے دیا جائے تو حد کے نفاذ میں ظلم اور شریعت کے مقصد کے خلاف نتائج نکل سکتے ہیں۔

اس مقالے کا مسئلہ یہ ہے کہ: جب نص میں حکم کسی مبہم/مشکل لفظ یا محض عنوان کی صورت آئے تو اسے منضبط کرنے کے اصول کیا ہیں، اور متنِ زیرِ مطالعہ ان اصولوں کو کن مثالوں سے واضح کرتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ہم سرقہ کی مثال سے ''تعریف سازی'' اور ''قیود'' کا منہج، تعیش کی مثال سے ''غیر منضبط مفاہیم'' کا مسئلہ، اور نکاح بمقابلہ شہوت رانی کی مثال سے ''علامات کے ذریعے امتیاز'' کا اصول سمجھتے ہیں۔

طریقۂ تحقیق (Qualitative/Usuli Methodology)

یہ تحقیق بنیادی طور پر کیفی (Qualitative) اور اصولی (Usuli) نوعیت کی ہے، جس میں متن کے اندر پیش کردہ قواعد، مثالوں، اور استدلالی رخ کو استخراجی انداز میں مرتب کیا گیا ہے۔ طریقہ کار کی بنیاد ہے یہ ہے کہ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا متنی تجزیہ جس میں (textual analysis)

اصطلاحات، دعوؤں اور مثالوں کو الگ کر کے ان کے پیچھے کار فرما اصولوں کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

اس مطالعے میں ہم تین سطحوں پر متن کو سمجھتے ہیں:

1. تصوری سطح : مبہم/مشکل کیا ہے اور انضباط کا مطلب کیا بنتا ہے؟
2. منہجی سطح :انضباط کیسے ہوتا ہے۔ تقسیم، ذاتیات، عرف، علامات، غالب صورت کا لحاظ وغیرہ۔
3. تطبیقی سطح : سرقہ، تعیش، نکاح، رمضان/سفر جیسی مثالوں میں اصول کیسے برتتا ہے؟

یہ مقالہ اپنی نوعیت میں ''مفہومی واصولی" ہے، یعنی یہ کسی عددی سروے یا شماریاتی طریقے پر مبنی نہیں بلکہ نص کے اندر موجود استدلالی ڈھانچے کو واضح کرتا ہے۔ اسی بنا پر بحث کا محور "قواعد" اور "منہج" ہے، نہ کہ کسی ایک فقہی مسلک کی تفصیلی تطبیقات۔

نظری پس منظر: مبہم، مشکل اور انضباط

متن کی رو سے ''مبہم'' وہ چیز ہے جس کا حکم یا حقیقت واضح نہ ہو اور جس کی تفصیل صرف نام سے معلوم نہ ہو سکے۔ اسی طرح ''مشکل'' وہ مقام ہے جہاں الفاظ یا صورتیں باہم مشابہ ہوں اور ان کے درمیان فرق کے لیے اضافی معیار درکار ہو۔ یہ دونوں مسائل اس وقت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں جب شریعت کسی چیز کا ذکر ''اسم'' (یعنی نام) کے طور پر کرے، مگر اس اسم کے تحت متعدد قریب المعنی یا قریب المشابہ صورتیں داخل ہونے لگیں۔

اس تحقیق کا بنیادی مقصد اس نکتہ کو واضح کرنا ہے کہ صرف ''جامع، مانع تعریف'' کی خواہش بعض امور میں پوری نہیں ہو پاتی، کیونکہ کچھ مفاہیم اور خرابیاں غیر منضبط ہیں۔ مثال کے طور پر ''تعیش پسندی'' کا معیار ہر قوم اور ہر ملک میں بدل جاتا ہے، اور بسا اوقات کوئی ظاہری نشان ایسا نہیں ہوتا جو ہر جگہ ''ادنیٰ و اعلیٰ'' کے امتیاز کے لیے یکساں طور پر کارآمد ہو۔ اس لیے شریعت بعض جگہ براہِ راست تعریف دینے کے بجائے علامتیں، مثالیں، یا مخصوص اشیاء کے احکام کے ذریعے تصور کی حد بندی کرتی ہے۔

یہاں ایک اہم اصول سامنے آتا ہے : ہر چیز کی حد بندی ایک ہی طریقے سے نہیں ہوتی۔

- بعض چیزیں واضح ذاتیات رکھتی ہیں، جن کی بنیاد پر تعریف قائم کی جا سکتی ہے (مثلاً سرقہ کو ڈاکہ/خیانت سے الگ کرنا)۔

- بعض چیزیں عرفی اور نسبتی ہوتی ہیں، جہاں مکمل ضبط ممکن نہیں، تو شریعت ''غالب صورت'' یا ''عرف میں معروف علامتوں'' کی طرف رجوع کرتی ہے (مثلاً تعیش پسندی کی مثال میں)۔
- بعض جگہ دو عمل بظاہر ایک جیسے ہوں مگر مقصد اور مصلحت کے لحاظ سے الگ ہوں، تو فرق کے لیے شرعی علامات مقرر کی جاتی ہیں (مثلاً نکاح کے لیے اعلان/گواہ/رضامندی)۔

4۔ انضباطِ مبہم کا بنیادی منہج: تقسیمِ اقسام اور امتیازی ذاتیات

متن میں انضباط کے لیے سب سے نمایاں طریقہ ''تقسیم'' ہے، یعنی جب کسی عنوان کے تحت متعدد صورتیں داخل ہو سکتی ہوں تو پہلے ان صورتوں کی درجہ بندی کی جائے جیسے قرآن میں اللہ پاک نے فرمایا

وَالسَّارِقُ والسارقة فَاقْطَعُوا أَيْدِيهِمَا[1]

اور چور چاہے مرد ہے یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔

مصنف غیر کے مال کے حصول کی متعدد اقسام ذکر کرتا ہے: سرقہ، ڈاکہ، اچک لینا، خیانت، پڑی چیز اٹھانا (التقاط)، زبردستی چھیننا، لاپروائی کی صورت میں تصرف وغیرہ۔ یہ تقسیم خود ایک اصولی اشارہ ہے کہ ''اسمِ حکم'' کو سمجھنے کے لیے پہلے اس کے قریب ترین متبادلات/مشابہات کو سامنے لانا لازم ہے۔

اس کے بعد دوسرا مرحلہ ''امتیاز'' ہے: یعنی ان اقسام میں سے ہر ایک کے ایسے اوصاف متعین کرنا جو اسے دوسرے سے الگ کریں۔ متن میں اس کو ''ذاتیات'' پر غور سے تعبیر کیا گیا ہے—یعنی وہ بنیادی خصوصیات جو کسی تصور کے اندر پائی جاتی ہیں یا نہیں پائی جاتیں، اور جن سے فرق واضح ہوتا ہے۔

مصنف کی بیان کردہ مثالیں اسی امتیازی منہج کی نمائندگی کرتی ہیں:

[1] المائدۃ 5:38

- ڈاکہ/لڑائی جیسے عنوانات سے معلوم ہوتا ہے کہ لینے والا اپنے زور پر اعتماد کر رہا تھا اور ایسا مقام/صورت اختیار کی گئی جہاں مدد نہ پہنچ سکے۔
- اچک لینا لوگوں کے سامنے اور دیکھتے دیکھتے چیز اٹھا لینے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔
- خیانت سے پتا چلتا ہے کہ پہلے کوئی شراکت/بے تکلفی/اعتماد موجود تھا جس کے بعد خیانت کی گئی۔
- التقاط اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ چیز بغیر حفاظت کے پائی گئی۔
- لاپروائی ان چیزوں میں ہوتی ہے جن کے بارے میں عرف میں خرچ کر دینے یا لے لینے کی ایک نرم فضا پائی جاتی ہے (مثلاً پانی/رکابی وغیرہ کے حوالہ سے متن میں مثال آتی ہے)۔

اس سے ''تعریف سازی (definition building) ''کا ایک اصولی طریقہ سامنے آتا ہے:

1. مسئلے کی ''قریب ترین اقسام'' سامنے لائیں۔
2. ہر قسم کے ''عرفی/حقیقی امتیازات'' اخذ کریں۔
3. پھر ''سرقہ'' (یا متعلقہ عنوان) کی تعریف میں وہ قیود شامل کریں جو اسے دیگر اقسام سے ممتاز کر دیں۔

یہاں ایک اصولی بات اور بھی نکلتی ہے: تعریف محض لغوی نہیں، بلکہ عملی قانونی (operational) ہونی چاہیے۔ یعنی ایسی کہ قاضی/مفتی کے لیے واقعہ پر حکم لگانا ممکن ہو، اور حدود میں غلطی نہ ہو۔

سرقہ کی مثال: نصاب، حرز اور حد بندیِ اطلاق

سرقہ کے باب میں متن ''حد'' کے نفاذ کے لیے چند قیدی/امتیازی عناصر کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ سب سے پہلے ''نصاب'' کا ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سرقہ کی حد کے لیے ''چوتھائی دینار یا تین درہم'' مقرر فرمائی تاکہ وہ صورتیں جو محض لاپروائی میں رکھی گئی حقیر چیزوں سے متعلق ہوں، حد کے دائرے سے باہر رہیں۔ یہ ''تخریجِ حکم'' کا نہایت اہم اصولی پہلو ہے: شریعت محض عنوان نہیں دیتی بلکہ بعض جگہ مقدار/حد مقرر کر کے عنوان کے اطلاق کو کنٹرول کر دیتی ہے۔

عن عائشة عن النبي صلى الله عليه و سلم قال : لا تقطع يد السارق إلا بربع دينار فصاعدا[2]

حضرت عائشہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا چور کا ہاتھ اسی صورت میں کاٹا جائے جب کہ اس نے چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی مالیت کی چوری کی ہو۔(بخاری و مسلم)

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں رقم طراز ہیں:

أجري الْحَد على اسْم السَّارِق، وَمَعْلُوم أَن الْوَاقِع فِي قصَّة بني الأبيرق وَطعيمَة وَالْمَرْأَة المخزومية هِيَ السّرقَة وَمَعْلُوم أَن اخذ مَال الْغَيْر أَقسَام :مِنْهَا السّرقَة، وَمِنْهَا قطع الطَّرِيق، وَمِنْهَا الاختلاس، وَمِنْهَا الْخِيَانَة، وَمِنْهَا الالْتِقَاط، وَمِنْهَا الْغَصْب، وَمِنْهَا قلَّة المبالاة، وَفِي مثل ذَلِك رُبمَا يسْأَل النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَن صُورَة صُورَة هَل هِيَ من السّرقَة سُؤال مقَال أَو سُؤال حَال، فَيجب عَلَيْهِ أَن يبين حَقِيقَة السّرقَة متميزة عَمَّا يشاركها بِحَيْثُ يتَّضِح حَال كل فَرد فَرد، وَطَرِيق التميز أَن ينظر إِلَى ذاتيات هَذِه الْأَسَامِي الَّتِي لَا تُوجد فِي السّرقَة، وَيَقَع بهَا التفارق بَين الْقَبِيلَتَيْنِ وَإِلَى ذاتيات السّرقَة الَّتِي يفهمها أهل الْعرف من تِلْكَ اللَّفْظَة، ثمَّ يضْبط السّرقَة بِأُمُور معنوية يحصل بهَا التَّمْيِيز، فَيعلم مثلا أَن قطع الطَّرِيق والحرابة وَنَحْوهمَا من الْأَسَامِي تنبئ عَن اعْتِمَاد الْقُوَّة بِالنِّسْبَةِ إِلَى المظلومين وَاخْتِيَار مَكَان أَو زمَان لَا يلْحق فِيهِ۔[3]

ترجمہ: ''یہاں سارق کے نام پر حد جاری کر دی۔اور اور یہ معلوم ہی ہے کہ بنی ابیرک تئیمہ اور مخزومیہ عورت کے واقعے میں چوری کا قصہ تھا اور یہ بھی معلوم ہے کہ غیر کا مال لینے کی چند اقسام ہیں ایک سرقہ ہے، ایک ڈاکہ ہے، اور ایک مال کا اچک لے جانا، ایک خیانت سے، ایک بڑی چیز اٹھان، اایک زبردستی چھین لینا اور ایک لاپرواہی کرنا، ان اقسام میں عام طور پر حضوﷺ سے ہر صورت کا حکم معلوم کیا جاتا تھا کہ یہ بھی سرقہ اور چوری ہے یہ سوال چاہے قولی ہو یا حالی ہو، تو لازم ہوا کہ آپ ﷺ چوری کی حقیقت اس انداز سے واضح فرمادیں جو اسے دوسری اقسام اخذ مال سے ممتاز کر دے اور ہر ہر فرد کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے اس امتیاز کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان آسماء اشیاء کی ذاتیات میں غور کیا جائے کہ جو چوری میں نہ پائے جاتے ہوں اور ان ذاتی امور کی وجہ سے چوری اور غیر چوری میں فرق ہو جاتا ہے ایسے ہی سرقہ کی ذاتیات پر نظر کی جائے جن کو اس لفظ اہل عرف سمجھتے ہوں۔ پھر ایسی معنوی امور کے ساتھ سرقہ کی تعریف طے کر دی جائے کہ جس کے

[2] محمد بن اسماعیل البخاری، *صحیح البخاری*، کتاب الحدود، باب لا تقطع ید السارق الا فی ربع دینار فصاعداً، حدیث:6789

[3] شاہ ولی اللہ الدہلوی، احمد بن عبد الرحیم، *حجۃ اللہ البالغۃ*، دار الجیل، بیروت، کتاب الحدود، باب حد السرقۃ، 2/358–359۔

ذریعے سرقہ کا امتیاز ہو جائے، مثلاً یہ پتہ چلتا ہے کہ ڈاکا اور لڑائی اس قسم کے اسماء سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے آدمی کو مظلوم کے مقابلے میں قوت پر اعتماد تھا"

دوسرا عنصر "حرز/حفاظت" ہے۔ متن میں اشارہ ملتا ہے کہ سرقہ میں حفاظت اور حرز کی شرط پائی جاتی ہے، یعنی محفوظ جگہ/حفاظتی انتظام سے پوشیدہ طور پر لینا سرقہ کی حقیقت کو مضبوط کرتا ہے۔ یہ قید اس لیے معنی خیز ہے کہ یہی چیز سرقہ کو "التقاط" یا "لاپروائی" یا بعض دیگر صورت سے جدا کرتی ہے۔ گویا "حرز" محض ایک ضمنی شرط نہیں بلکہ امتیازِ حقیقت کا آلہ ہے۔

یہاں انضباط کے دو ماڈل اکٹھے کام کرتے ہیں:

- مقداری ضبط (Quantitative threshold): نصاب، تاکہ حد کی شدت معمولی واقعات پر نہ چلے۔
- کیفی ضبط (Qualitative condition): حرز/حفاظت، تاکہ فعل کی نوعیت واضح ہو کہ یہ "چھپ کر محفوظ جگہ سے لینا" ہے یا نہیں۔

اس سے اصولی طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب شریعت سخت سزا یا شدید حکم دے تو اس کے اطلاق میں "احتیاطی قیود" اور "امتیازی شرائط" کا پایا جانا زیادہ متوقع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متن میں سرقہ کی مثال کو بنیادی نمونہ بنا کر بتایا گیا کہ مبہم عنوان کو منضبط کیے بغیر حکم جاری کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔

غیر منضبط مفاہیم: تعیش/فحامت کا مسئلہ اور شرعی اسلوب

متن ایک نہایت اہم علمی حقیقت بیان کرتا ہے کہ بعض مفاسد یا اخلاقی خرابیوں کی "جامع مانع تعریف" بنانا آسان نہیں، کیونکہ ان کے "مواقع" کسی واضح خارجی نشان سے ہمیشہ ممتاز نہیں ہوتے۔ "از حد عیش پسندی اور فحامت بالغہ" کو اسی قبیل سے کہا گیا کہ یہ ایک غیر منضبط خرابی ڈالنے والی چیز ہے جس کے مواقع ادنیٰ و اعلیٰ کے لحاظ سے ہر جگہ یکساں طور پر طے نہیں کیے جا سکتے۔

مصنف اس کے پس منظر میں عرفی تبدیلی اور انسانی معاشرتی فرق کو واضح کرتا ہے: اہلِ ثروت کی عادت عمدہ سواری، بلند مکان، اعلیٰ لباس، گراں زیورات کی طرف ہوتی ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک قوم کی عیاشی دوسری کے نزدیک سادگی ہو سکتی ہے، اور ایک ملک کی عمدہ شے دوسرے

ملک میں حقیر سمجھی جاسکتی ہے۔مزید یہ کہ انتفاع کبھی عمدہ شے سے بھی ہوتا ہے اور کبھی حقیر شے سے بھی، مگر ہر استعمال ''تعیش'' نہیں کہلاتا،اور کبھی بغیر قصد یا عادتاً پابندی کے بغیر بھی عمدہ شے استعمال ہو تو عرف عام اسے عیش پرستی نہیں کہتا۔

اس کے باوجود شریعت ''تعیش'' کے مضر پہلو سے غافل نہیں رہتی۔ متن کے مطابق شریعت نے عمومی طور پر رفاہیت و عیش پسندی کی خرابیوں سے آگاہ کیا اور خاص طور پر اُن اشیاء کا ذکر کیا جنہیں لوگ عام طور پر صرف تعیش کی خاطر استعمال کرتے ہیں اور جن کے ذریعے عیش پرستی کو عمومی عادت بنایا جاتا ہے؛اسی باب میں ریشم اور سونے چاندی کے برتنوں کی حرمت کا ذکر آتا ہے۔

یہاں ''انضباط'' کا ایک مختلف اسلوب سامنے آتا ہے:

- جہاں جامع تعریف ممکن نہ ہو، وہاں شریعت بعض نمائندہ مثالیں یا عرف میں واضح علامات کے ذریعے تصور کو حد بند کرتی ہے۔
- نیز ''نادر صورتوں'' کو عمومی قانون کا معیار نہیں بنایا جاتا، کیونکہ قوانین شرع میں نادر صورتوں کا اعتبار نہیں ہوتا۔

اس حصے سے اصولی فائدہ یہ نکلتا ہے کہ :ہر مفہوم کو مکمل طور پر معیار بند (standardize) کرنا ضروری یا ممکن نہیں؛ شریعت کبھی کبھی ''مثالی/غالب صورت'' اور ''نمایاں علامت'' کے طریقے سے رہنمائی دیتی ہے۔

ظاہری علامات کے ذریعے امتیاز: نکاح بمقابلہ شہوت رانی

متن میں ایک نہایت معنی خیز اصولی مثال ''نکاح اور شہوت رانی'' کی دی گئی ہے۔دونوں میں بظاہر ''خواہش'' اور ''عورتوں کی طرف میلان'' جیسی مشترک چیزیں پائی جاسکتی ہیں،اس لیے صرف ظاہری مشابہت سے حکم لگانا کافی نہیں؛فرق کے لیے ''ظاہر علامت'' کی ضرورت ہوتی ہے۔

مصنف کے مطابق نکاح کی حقیقت اس مصلحت کو قائم کرنا ہے جس پر نظامِ عالم قائم ہے: میاں بیوی کے درمیان تعاون، اولاد کی خواہش، اور روزگار/معاش کی حفاظت یہ امور مطلوب و پسندیدہ ہیں۔اس کے برعکس شہوت رانی کی حقیقت یہ بتائی گئی کہ نفس کو گمراہی پر کھلی چھٹی دے کر اطاعتِ شہوت میں پھرنا، حیا کی قید توڑنا،اور مصلحتِ کلیہ/نظام کی کلی راہ کو ترک کرنا اور یہ باعثِ غضبِ الٰہی اور سخت ممنوع ہے۔

چونکہ دونوں میں ظاہری سطح پر اشتراک ہو سکتا ہے، اس لیے نبی اکرم ﷺ نے نکاح کو چند امور کے ساتھ ''مختص'' فرمایا یہی ''علامتی ضبط'' ہے۔ متن میں نکاح کی طرف منسوب چند نمایاں قیود آتی ہیں:

- نکاح کا دائرہ (مرد کے بجائے عورتوں سے نکاح کی بات بطور تخصیص) اور نسل کے تسلسل کا پہلو۔
- نکاح میں عزم و سنجیدگی، استہزاء نہ ہو، مشورہ اور اعلان کے ساتھ نکاح (جبر و اخفاء نہ ہو)۔
- گواہوں/سرپرست اور عورت کی رضامندی کی شرط کا ذکر۔
- نکاح کا موقت نہ ہونا بلکہ دائمی و لازمی ہونا؛ اسی بنا پر مخفی نکاح اور متعہ کے بارے میں ممانعت کا ذکر۔

یہاں اصولی طور پر یہ سمجھ آتی ہے کہ بعض مقامات پر شریعت ''حقیقتِ باطنی'' (مقصد/مصلحت) کو براہِ راست ناپنے کے بجائے اس کے لیے ظاہری نشانیاں مقرر کرتی ہے تاکہ حکم قابلِ نفاذ ہو۔ اسی طرز پر متن میں نماز کے حوالے سے یہ بات بھی آتی ہے کہ کبھی کسی مخفی قلبی امر (اخلاص/نیت) کو ضبط کرنے کے لیے فعلِ جوارح یا قول کو اس کی علامت بنا دیا جاتا ہے (قبلہ رخ ہونا اور تکبیر وغیرہ کا ذکر) اور اسے رکن قرار دے دیا جاتا ہے۔

یہ بحث ''امتیازِ مشکل'' کے اصول کو مضبوط کرتی ہے: جب دو افعال یا دو صورتیں ظاہراً ملتی ہوں تو ان کے مقاصد اور اثرات کے لحاظ سے فرق کر کے ظاہری معیار مقرر کیے جاتے ہیں، پھر انہی معیاروں پر احکام مرتب ہوتے ہیں۔

عرف کی طرف رجوع: صیغۂ نص، تفسیر اور تطبیقی معیار

متن میں ایک واضح قاعدہ بیان ہوا کہ جب کسی صیغہ کے ساتھ نص واقع ہو یا کسی حال/نوع کو حکم کا مدار بنانا مقصود ہو، اور بعض مواقع میں اشتباہ پیدا ہو جائے، تو مناسب یہ ہے کہ اس صیغہ کی تفسیر کی طرف رجوع کیا جائے یا اس نوع کی جامع تعریف کی تحقیق کے سلسلہ میں عرب کے عرف کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ اصول خاص طور پر اُن مفاہیم میں کارآمد ہوتا ہے جو بنیادی طور پر ''عرفی'' ہیں یا جن کا دائرہ زبان/عادت کے ساتھ بدلتا ہے۔

متن میں رمضان کے مہینے کی تعیین کی مثال دی گئی کہ شک واقع ہو تو عربوں کے عرف کے مطابق شعبان کے تیس دن پورے کیے جائیں، اور مہینہ کبھی تیس کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس کا اور اس ضمن میں نبی ﷺ کا یہ بیان بھی نقل ہوتا ہے کہ

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ، لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ، الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا[4]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم ایک اُمی امت ہیں، نہ لکھتے ہیں اور نہ گنتے ہیں، (مہینہ) ایسا ہوتا ہے اور ویسا ہوتا ہے۔

اس مثال سے یہ اصول نکلتا ہے کہ شرعی حکم کی عملی تطبیق میں شریعت بسا اوقات عرفی/مشاہداتی معیار اپناتی ہے جو عوام کے لیے قابلِ عمل ہو۔ اسی طرح قصر کے مسئلے میں ''سفر'' کے صیغہ کے ساتھ نص آئی، مگر بعض مواقع میں اشتباہ ہوا تو صحابہ کرامؓ نے ''سفر'' کی عملی تعریف/حد بندی کی طرف رہنمائی دی: وطن سے ایسے مقام تک جانا جہاں روزانہ نہ پہنچا جا سکے، اور اس کے لیے ایک دن اور ایک رات کے معتدبہ حصہ کا سفر؛ نیز ''چار بُرد'' کا ذکر اور 12 میل فی برد کے حساب سے 48 میل کی تعیین بھی متن میں آتی ہے۔ یہ مثال دکھاتی ہے کہ عرف/تعامل کبھی کبھی ایک ''قابلِ ناپ'' معیار بھی فراہم کرتا ہے، جس سے قانون کی تطبیق آسان ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ''عرف'' محض لسانی حوالہ نہیں بلکہ فقہی نظام میں ایک عملی ضرورت ہے، بشرطیکہ وہ نص و مقاصد کے خلاف نہ جائے۔ متن کا مزاج اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جہاں نص اجمال میں ہو، وہاں عرف کی مدد سے اجمال کی توضیح اور حد بندی کی جاتی ہے۔

حقیقت اور مظنہ: تخصیصاتِ نبوی اور احکام کی علتیں

متن کے آخری حصے میں ایک نہایت اہم اصولی ضابطہ آتا ہے کہ حضور ﷺ کی تخصیص اور امت کے لیے استثنا کے باب میں قابلِ اعتماد اصول یہ ہے کہ کبھی حکم ''حقیقت'' کی بجائے ''مظنہ و احتمال'' کی طرف راجع ہوتا ہے۔ یعنی بعض احکام کا مدار اس اندیشے/احتمال پر ہوتا ہے کہ کہیں لوگ کسی چیز کو وسیلہ نہ بنا لیں یا کسی خرابی میں مبتلا نہ ہو جائیں، جبکہ بعض مواقع پر نبی ﷺ کے علمِ حقیقت کی وجہ سے آپ کے حق میں اس احتمال کا اعتبار وہی صورت اختیار نہیں کرتا جو عام لوگوں میں کرے۔

متن میں مثال کے طور پر حضرت طحاویؒ کے حوالے سے عصر کے بعد دو رکعتوں کی بحث کا ذکر آتا ہے کہ ممانعت کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ لوگ انہیں لازم/وسیلۃ نہ بنا لیں، جبکہ نبی ﷺ حقیقت سے باخبر ہیں۔ اسی طرح چار نکاح سے زائد کے باب میں بھی ایک ''اندیشہ/گمان'' کا پہلو بیان ہوتا ہے کہ حقوق میں غفلت یا ازدواجی احسان میں کمی کا احتمال ہو سکتا ہے، مگر نبی ﷺ کے حق میں اس کا معاملہ مختلف بیان کیا گیا۔

[4] البخاری، صحیح البخاری، کتاب الحج، باب تحري الهلال، حدیث: 1895

اس سے اصولی طور پر دو باتیں سامنے آتی ہیں:

1. بعض احکام کی علت ''سدِّ ذریعہ'' یا ''اندیشۂ فساد'' کی نوعیت رکھتی ہے (یعنی احتمال کی بنیاد)۔
2. جب مدار احتمال ہو تو بعض مواقع پر تخصیص/استثنا کی گنجائش پیدا ہوتی ہے، اور اسی کو سمجھنا ''امتیازِ مشکل'' کے باب میں اہم ہے۔

یہ بحث ہمارے اصل موضوع سے اس طرح مربوط ہے کہ ''انضباط'' صرف تعریف تک محدود نہیں بلکہ علتوں اور مدارِ حکم کی نوعیت سمجھنا بھی انضباط میں شامل ہے — کبھی حکم حقیقت پر قائم ہوتا ہے اور کبھی غالب گمان/احتمال پر۔

اصولی فریم ورک کی تشکیل

مندرجہ بالا مباحث کو سمیٹے بغیر بھی ہم متن کے اندر سے ایک واضح ''اصولی فریم ورک'' اخذ کر سکتے ہیں جو انضباطِ مبہم اور امتیازِ مشکل کے لیے رہنما ہے۔ اس فریم ورک کے بڑے اجزاء یہ بنتے ہیں:

- (الف) تقسیمِ اقسام: مبہم عنوان کے تحت آنے والی مشابہ صورتوں کی فہرست سازی اور درجہ بندی۔
- (ب) ذاتیات و امتیازات: ہر قسم کے بنیادی اوصاف اخذ کر کے تعریف میں وہ قیود شامل کرنا جو امتیاز قائم کریں۔
- (ج) مقداری و کیفی قیود: جہاں نصاب/مقدار یا شرط (مثلاً حرز) نص یا تعامل سے ملے، اسے اطلاق کے کنٹرول کے طور پر اپنانا۔
- (د) غیر منضبط مفاہیم میں علامتی/مثالی ضبط: تعیّش جیسے مفاہیم میں جامع تعریف کی بجائے غالب صورت اور نمایاں مثالوں سے رہنمائی۔
- (ہ) ظاہری علامات: جہاں حقیقت مخفی ہو یا دو چیزیں ظاہراً ملتی ہوں، وہاں شریعت ''علامات'' مقرر کرتی ہے (نکاح کے شرائط/قیود کی مثال) تاکہ حکم قابلِ نفاذ ہو۔
- (و) عرف کی حجیت بطور تفسیر: صیغہ/عنوان میں اشتباہ ہو تو عرب کے عرف اور تعامل کی طرف رجوع کر کے عملی معیار قائم کرنا (رمضان/سفر کی مثالیں)۔

- (ز) مدارِ حکم کی نوعیت : حکم اگر حقیقت پر ہو تو ایک طرزِ تطبیق، اور اگر مظنہ/احتمال پر ہو تو دوسرے طرز کی رعایتیں اور تخصیصات۔

یہ فریم ورک ہمیں بتاتا ہے کہ اصولِ تخریجِ احکام میں ''متن، عرف، مقصد، اور معیار'' چاروں کی شمولیت سے مبہمات منضبط ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر انضباط محض علمی تجمل نہیں بلکہ فقہی نظام کی عملی ضرورت ہے، خصوصاً اُن احکام میں جو حدود، حقوق العباد، اور معاشرتی نظم سے تعلق رکھتے ہیں۔

نتائج

اس مقالے کے اندرونی نتائج کو چند واضح نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

1. نص میں ''نام لے کر'' حکم آ جائے تو محض لغوی معنی کافی نہیں؛ ''تقسیمِ اقسام'' اور ''امتیازِ ذاتیات'' کے ذریعے اطلاق کی حد بندی ضروری ہوتی ہے۔
2. سرقہ کی مثال یہ واضح کرتی ہے کہ شدید سزا والے احکام میں نصاب اور حرز جیسی قیود اطلاق کو منضبط کرتی ہیں اور سرقہ کو دیگر اقسامِ اخذِ مال سے جدا کرتی ہیں۔
3. تعیش جیسے مفاہیم میں جامع تعریف کی مشکل کی وجہ سے شریعت غالب عرف اور نمایاں مثالوں کے ذریعے رہنمائی دیتی ہے، اور نادر صورتوں کو معیار نہیں بناتی۔
4. نکاح اور شہوت رانی کے اشتراکِ ظاہری کے باوجود شریعت نے نکاح کو مخصوص علامات و شرائط کے ساتھ ممتاز کیا، جس سے ''علامتی ضبط'' کا اصول سامنے آتا ہے۔
5. عرف کی طرف رجوع (رمضان/سفر) یہ دکھاتا ہے کہ تطبیق کے لیے قابلِ عمل معیار بنانا بھی تخریجِ احکام کا حصہ ہے۔
6. ''حقیقت بمقابلہ مظنہ'' کی تمیز یہ سمجھاتی ہے کہ مدارِ حکم کی نوعیت جاننا بھی امتیازِ مشکل میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

خلاصہ تحقیق

زیرِ مطالعہ متن کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انضباطِ مبہم اور امتیازِ مشکل دراصل اصولِ تخریجِ احکام کے وہ بنیادی ستون ہیں جن کے بغیر نصوصِ شرعیہ کی تطبیق میں افراط و تفریط کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ متن نے سرقہ، تعیش، نکاح، اور عرف سے متعلق مثالوں کے ذریعے یہ دکھایا کہ شریعت کا منہج محض تجریدی نہیں بلکہ عملی ہے: وہ تعریف، قید، علامت، اور معیار کے ذریعے حکم کو معاشرتی زندگی میں قابلِ نفاذ بناتی ہے۔ اسی لیے اصولِ فقہ اور فقہی منہج میں اس باب کی حیثیت نہایت مرکزی ہے، کیونکہ یہی وہ جگہ ہے جہاں نص اور واقعہ ایک دوسرے سے معنی خیز طور پر جڑتے ہیں۔

1. Abbas, H., & Aziz, K. (2026). *Inzibat al-Mubham wa Imtiyaz al-Mushkil: Usuli study*. Peshawar: Benazir Bhutto Women University Press.
2. Dehlavi, S. W. A. (2005). *Hujjat Allah al-Baligha* (M. M. Madani, Trans.). Kuala Lumpur: Islamic Book Trust.
3. Hallaq, W. B. (2009). *An introduction to Islamic law*. Cambridge University Press.
4. Kamali, M. H. (2008). *Shariʿah law: An introduction*. Oxford, UK: Oneworld Publications.
5. Nyazee, I. A. K. (2002). *Theories of Islamic law: The methodology of ijtihad*. Islamabad: Islamic Research Institute.
6. Rahman, F. (1982). *Islam and modernity: Transformation of an intellectual tradition*. Chicago, IL: University of Chicago Press.
7. Vogel, F. E., & Hayes, S. L. (1998). *Islamic law and finance: Religion, risk, and return*. The Hague: Kluwer Law International.
8. Weiss, B. G. (1998). *The spirit of Islamic law*. Athens, GA: University of Georgia Press.
9. Jackson, S. A. (1996). *Islamic law and the state: The constitutional jurisprudence of Shihab al-Din al-Qarafi*. Leiden: Brill.
10. Opwis, F. (2010). *Maslaha and the purpose of the law: Islamic discourse on legal change from the 4th/10th to 8th/14th century*. Leiden: Brill.
11. Al-Tahawi, I. (1997). *Sharh al-Aqeedah al-Tahawiyyah*. Cairo: Dar al-Salam.